مشن

"تبلیغ کریں" پادریوں کے لیے عالمی پناہ گاہ کا موضوع

پادریوں کا دوسرا عالمی پناہ گاہ (SECOND WORLD RETREAT) 14 سے 18 ستمبر 1990 تک ویٹیکن سٹی کے پال ہشتم ہال میں منعقد ہوگی۔ جس میں پادری کی اوّلین ذمہ داری "تبلیغ کریں" کے موضوع پر سوچ بچار کیا جائے گا۔ اس موضوع کے تحت پروگرام یہ ہے کہ پوپ جان پال دوئم کی اپیل "2000 سن عیسوی کے پیش نظر ایک نئی تبلیغ" پادریوں تک پہنچائی جائے۔ جن کی ہزار تک کی تعداد میں اس "پناہ گاہ" میں شرکت متوقع ہے۔ وسطی اور مشرقی یورپ کے پادریوں کا پہلی دفعہ انتظار کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ چیکوسلواکیہ، ہنگری، مشرقی جرمنی، بلغاریہ، رومانیہ، پولینڈ، لتھوانیا، لٹونیا اور روس سے 300 جبکہ صرف چیکوسلواکیہ سے 100 پادری "پناہ گاہ" میں شریک ہوں گے۔

(انٹرنیشنل فائڈز سروس)

مشرقِ وسطیٰ

عیسائی اور مشرقِ وسطیٰ

گریزن (نیویارک۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ) کے گرے مور اکومینیکل انسٹیٹوٹ کی طرف سے ایک نیوز لیٹر اکومینیکل ٹرینڈز میں چھپا، جسے اکومینیکل پریس سروس نے جاری کیا۔ مضمون کا ایک اقتباس یہاں شائع کیا جا رہا ہے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان اکومینیکل مکالمہ، جسے ہم کم از کم دوسری ویٹیکن کونسل کے وقت سے جانتے ہیں ختم ہوگیا ہے۔ مختصراً اسے یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ مکالمہ تعطل کا شکار ہوا ہے۔ اور اس تعطل کو صرف دیانتداری کے ذریعے ہی دور کیا جا سکتا ہے۔ جس کا اس سے

پہلے فقدان رہا ہے۔

اس دیانتداری کے ساتھ ایک غیر متوقع تبدیلی وابستہ ہے۔ وہ یہ کہ تین دہائیوں تک اکومینیکل مکالے کا ایجنڈا یہودی شرکاء متعین کرتے رہے ہیں۔ اب یہ نہایت ضروری ہے کہ ایجنڈا الگ کرنے کے لیے عیسائی خود پیش قدمی کریں اس لیے مکالے کا دائرہ کار یہودیوں کے مصائب خصوصاً زمانۂ قریب کے (HOLOCAUST) میں عیسائیوں کو بے گناہ سمجھنے کے بجائے فلسطینی عوام پر ظلم و تشدد کے لیے یہودیوں کی مذمت کی طرف منتقل ہوگیا ہے۔

عیسائی یہودی مکالے کا زور شروع ہی سے یہودیت کے خلاف عیسائیوں کی تاریخی مخاصمت اور اس رزمیہ داستان پر مرکوز رہا ہے کہ یہودی مصائب زدہ معصوم لوگ ہیں۔ چنانچہ عیسائیوں سے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنا تاریخی مطالعہ یہودیوں کی مشقت اور زحمت کے حوالے سے کریں۔ جو مثال کے طور پر عہد نامہ جدید، چرچ کی تعلیمات اور اعتقادی رسوم میں موجود مخالف یہودیت افکار کی تعبیر نو کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔

تاہم اکومینیکل مکالے میں اس موضوع کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے جسے اکومینیکل حسن سلوک کہا جاتا ہے جس سے مراد یہ تسلیم کرنا ہے کہ بائیبل کا ورثہ اور معاصر یہودی تاریخ ایک خصوصی موضوع کی جانب راہنمائی کرتی ہے اور جس کا تعلق ہالوکاسٹ کے بعد یہودی زندگی یعنی ریاست اسرائیل کے ساتھ وابستگی کو اپنانے سے ہے۔ اسرائیل کا موقف بلکہ اکثر یہ مطالبہ ہے کہ یہودیوں کی بقا اور ان کی خصوصی زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے ریاست اسرائیل کو قبول کرنا مرکزی حیثیت کا حامل ہے اور اس بات کی توثیق کا مطالبہ بھی کرتے ہیں یہودی عوام کے خلاف ماضی کے گناہوں پر عیسائی واقعی نادم ہیں۔ چنانچہ اکومینیکل حسن سلوک کے سیاق و سباق میں یہودیوں کی حمایت میں عیسائیوں کی ڈھیل کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ یہودی مصائب پر عیسائیوں نے اپنی ندامت سے رجوع کرلیا ہے۔

سوچ کے اس دائرے میں یہودیوں کا یہ نقطۂ نظر مکمل طور پر معنی خیز لگتا ہے کہ اسرائیل پر تنقید یہودیت کی مخالفت کے مترادف ہے۔ چنانچہ یہودیوں کی جانب سے مطالبہ اور عیسائیوں کی جانب سے خاموشی اکومینیکل حسن سلوک کی خصوصیت بن گئی۔

دسمبر 1987ء میں فلسطینیوں کی بغاوت کا جب سے آغاز ہوا ہے بلکہ اس سے پہلے 1982ء میں لبنان کے خلاف اسرائیل کی جارحیت اور فوجی کنارے اور غزہ پر اس کے جابرانہ قبضے کے وقت سے عیسائیوں اور یہودیوں نے ریاست اسرائیل کی توسیع پسندانہ اور فوجی

پالیسیوں کی جو حمایت کی اس پر مزید پردہ نہیں ڈالا جاسکتا۔ یہودی اپنی روایات میں جس طرح عیسائیوں پر ساز باز اور خاموشی کا الزام لگاتے ہیں اسی طرح یہ بھی صاف واضح ہے کہ یہودی اور ان کے مخالف فلسطینی عوام بھی بالکل معصوم نہیں ہیں۔ ہم نے یہودی ہونے کی حیثیت سے فلسطینی عوام پر جو مظالم توڑے، انہیں انسان سے کم تر درجہ دیا۔ ان کی زمین اور جائیداد پر قبضہ کیا۔ انہیں جلاوطن کیا۔ ایذادی، قتل کیا اور انہیں بطور قوم بے عزت اور تباہ کرنے کی کوشش کی اس کے لیے ہم ایسے ہی قابل تعزیر تھے اور آج بھی ہیں۔ جیسے کہ یہودیت دشمنی کی بنا پر عیسائی قابلِ مواخذہ چلے آرہے ہیں۔

یہودی عیسائیوں سے جس قسم کے حسن و قبح اور طرزِ عمل کا تقاضا کرتے ہیں جب وہی تقاضا عیسائی یہودیوں سے کرتے ہیں کہ: تم اب معصوم نہیں رہے اور ایک دوسری قوم کے خلاف تشدد کا وطیرہ ختم کرو تو اکومینیکل حسن سلوک کا اسی وقت خاتمہ ہوجاتا ہے۔

امریکہ کے کیتھولک بشپوں کا حالیہ بیان "مشرقِ وسطیٰ میں امن کی جانب: پس منظر، اصول اور توقعات، اکومینیکل حسن سلوک کے دائرہ کار میں رہنے اور اس سے کہیں آگے نکلنے کی کوشش کو ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ یہ بیان بزدلی اور جرأت مندی پدرانہ شفقت اور تنقیدی فکر، دونوں طرز کی باتوں کا مجموعہ ہے اور اس کا نتیجہ ذو معنویت اور اشتباہ کی صورت میں ہی دیکھا جاسکتا ہے۔

بشپوں نے اسرائیل میں یہودی قیادت اور امریکہ کی پالیسیوں سے لاتعلق ہوجانے سے انکار کردیا اور یہ دیکھنے یا صاف صاف الفاظ میں بیان کرنے سے بھی اجتناب کیا کہ ریاست اسرائیل سے، جس کی سرپرستی امریکہ کی خارجہ پالیسی کررہی ہے، فلسطینی عوام کو بہت بڑا خطرہ لاحق ہے، اس طرح انہوں نے یہودیوں اور فلسطینیوں کے بنیادی چیلنج تک پہلے رسائی اور اس کے بعد پسپائی کا طرزِ عمل اختیار کیا۔

یہ اعتراف اسرائیلی قبضے کا خاتمہ اور فلسطینی ریاست کا قیام فلسطینی عوام کی بقا کے لیے مرکزی حیثیت رکھتے ہیں نیز یہ کہ اسرائیل اپنے موجودہ اور تاریخی رویے کے مطابق اپنے قبضے کو برقرار رکھنے اور فلسطینی ریاست کے قیام کو روکنے کا عزم رکھتا ہے ایسے اقدامات کا تقاضہ کرتا ہے جن کے ذریعے اسرائیل کو مغربی کنارے اور غزہ کے علاقے خالی کرنے پر مجبور کیا جاسکے۔ یہ احساس کہ اسرائیل اپنی مرضی سے باز نہیں آئے گا۔ یہ واضح کرتا ہے کہ بشپوں کو قابل قبول سطح کے اکومینیکل بیانات جاری کرنے چاہیے اور یہودی قوم کے علی الرغم دیانتداری سے کام

لینا چاہیے۔ کہ جن کی اکثریت خود حتی کہ نجی طور پر بھی ایسا کرنے کے قابل نہیں ہے۔

اصل میں یہ ایسا بیان، جس میں اسرائیلی فلسطینی تنازعے کی حقیقت کو مخاطب کیا گیا ہو، پر بڑے یہودی ترجمان اور ادارے کے راہنما کو سیخ پا کر دے گا اور یہ بڑی اندوہناک بات ہے کہ ایک بامعنی بیان سے یہودی عوام کے خود ساختہ راہنما نہ صرف برافروختہ ہوجائیں بلکہ اس کی مذمت پر اتر آئیں۔

بشپوں کے موجودہ طرز کے بیان پر یہودی مبصرین نے ملے جلے تبصروں کا اظہار کرتے ہوئے اس میں متوازن تشخیص اور عوامی مباحث کی حوصلہ افزائی کی کسی قدر تعریف کی ہے۔ ان تبصروں میں زیادہ تر مجموعی اطمینان کا پہلو محسوس ہوتا ہے۔ اگرچہ بشپوں نے پیشقدمی کی کوشش کی تاہم وہ اکومینیکل مکالمے کے متعین کردہ اختلافی خطوط کی حدود ہی میں رہے۔

داد جہاں ضروری ہو ضرور دی جانی چاہیے۔ بشپ یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ اسرائیلی انسانی حقوق کی خلاف ورزی کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ خلاف ورزیاں اپنے اندر انفرادی اور گروہی دونوں سطح پر جوابدہی کا پہلو رکھتی ہیں اس طرح اس بیان میں فلسطینی زندگی کے سیاسی پہلوؤں کا باضابطہ تذکرہ کیا گیا ہے۔ (لیکن) بشپ بالآخر یہ ادراک کرنے سے قاصر نظر آتے ہیں کہ یہودی روایت فلسطینی عوام کے مقابلے میں ایسے ہی تھی جیسے کہ عیسائی روایت یہودی عوام کے مقابلے میں تھی۔ یوں دونوں کی حیثیت مساوی ہے۔ یہ روایت ایک طاقت کے ہاتھوں پامال ہونے اور دوسرے کی تباہی کے لیے از خود غلط استعمال کے خطرے کے تحت دوچار ہے۔

یہودی ہالوکاسٹ (HOLUCAUST) کا حوالہ دیتے ہوئے رچرڈ روبن اسٹائن لکھتا ہے "بیسویں صدی کی تاریخ نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ جن لوگوں کو ہمیشہ کے لیے فالتو قرار دے دیا جائے انہیں بالآخر زندہ مُردوں کے ویران کدوں میں دھکیل دیا جاتا ہے یا پھر یکسر نیست و نابود کر دیا جاتا ہے۔

بیسویں صدی کے اختتام پر بشپ جتنا کچھ جیسا کرنے یا تجویز کرنے کے قابل ہو سکے ہیں ہمیں اس سے زیادہ طاقتور الفاظ سے کہیں زیادہ طاقتور عمل کی ضرورت ہے۔ یہ الفاظ اور اقدامات صرف اسی صورت میں ممکن ہیں جب اکومینیکل "حسن سلوک" کو دفن کر دیا جائے اور اس کی جگہ یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان ایک نئی دیانتداری جنم لے۔